حافظ ظہور احمد اظہر

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی لاہوری

مغلوں کی آمد کے بعد خاک لاہور نے جو اہل فضل و کمال پیدا کیے، ان میں سے ایک شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی لاہوری بھی ہیں[۵۰]۔ ۱۵۸۴ء میں جب مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر نے لاہور کو رونق بخشی تو اس زمانے میں شیخ سعد اللہ صاحب کے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور صبر و قناعت کے چرچے عام تھے[۵۱]۔ آپ کے ایک ہم نام و ہم عصر عالم دین مولانا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری بھی تھے، جو ملتان کی ویرانی کے بعد لاہور آ گئے تھے۔ اکبر کے اندر تجسس و استطلاع کا شغف اور نامعلوم کو معلوم کرنے کا جو جنون تھا، وہ اسے اہل علم سے ملنے اور بحث و مناقشت کرنے پر اکساتا رہتا تھا۔ قیام لاہور کے دوران جب اس نے ان دونوں بزرگوں کی شہرت سنی تو انھیں اپنے دربار میں طلب کیا اور ان سے کئی ایک علمی سوالات بھی دریافت کیے[۵۲]۔ ہمارے شیخ بنی اسرائیلی سے تو اسے اس قدر شغف ہو گیا تھا کہ وہ انھیں اکثر اوقات طلب کرتا اور خلوت و جلوت میں ان کے ساتھ بات چیت میں کافی وقت گزارتا تھا[۵۳]۔

افسوس اس بات کا ہے کہ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی کے حالات زندگی پر تاریکی و اخفا کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور ہمارے تذکرہ نویسوں نے چند سطور میں ان کے تذکرہ پر اکتفا کیا ہے، بلکہ وہ اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب مغالطے کا شکار رہے ہیں، جس کا مفصل ذکر بعد میں آئے گا۔ ہمارے ہاں کے تذکرہ نویسوں میں یہ عیب رہا ہے کہ انھوں نے اشخاص و اعلام کے تراجم و سوانح بیان کرتے وقت اکثر ایک عجیب سے غموض و ابہام اور تکلیف دہ اختصار سے کام لیا ہے۔ رہے مؤرخین، سو ان کا واسطہ صرف احوال شاہاں تک محدود رہا۔ اور اگر کسی نے ضمنی طور پر کسی اہل علم و فضل کا ذکر کیا بھی تو صرف اس کے نام اور چند تعریفی کلمات پر اکتفا کیا گیا حتیٰ کہ صاحب تذکرہ کے باپ کا نام تک بھی شاذ و نادر لکھا جاتا تھا۔ اس افسوس ناک قسم کے اجمالی اختصار کی بدترین مثال مرزا نظام الدین احمد صاحب طبقات اکبری کے ہاں نظر آتی ہے۔ مثلاً

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی کے معاصر ملا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری کا تذکرہ ان دو جملوں میں کیا ہے: "ملا سعد اللہ لاہوری از کبار علماء وقت بود و بروش ملامیہ سلوک می نمود"[۴۴] (تذکرہ علماء ہند از مولوی رحمان علی میں غلطی سے ملامیہ یا ملامتیہ "ملامئہ" چھپ گیا ہے۔ جس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ ملامئہ صاحب کوئی فاضل بزرگ ہیں حالانکہ اس سے گروہ ملامتیہ مراد ہے۔ کتاب کے فاضل مترجم[۴۵] نے بھی اسے ملامئہ ہی سمجھا ہے اور طباعت کی غلطی کو بحالہ رہنے دیا ہے)

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی کے تذکرہ نگاروں نے ان کے ساتھ ایک زیادتی یہ کی ہے کہ ان کے والد کے نام یا سلسلہ نسب کا ذکر تو رہا ایک طرف ان کی تاریخ وفات تک درج نہیں کی۔ بس اتنا لکھا ہے کہ انھوں نے اسّی سال عمر پائی۔ بہرحال شیخ کا تعلق برصغیر کے ایک نومسلم گروہ سے تھا جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے اور جن کا یہودیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا جیسا کہ "بنی اسرائیلی" کی نسبت سے بظاہر سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی بھی ہے۔ مولانا علم الدین سالک صاحب نے یہ غلط فہمی دور کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس قبیلے کے لوگ زیادہ تر علیگڑھ، میرٹھ اور سنبھل وغیرہ کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں[۴۶]۔ میرا خیال یہ ہے کہ نومسلموں کا یہ گروہ جو بنی اسرائیل کہلاتا ہے، دراصل ہندوؤں کے اس طبقے سے ہے جسے کائستھ کہتے ہیں، اور جن کا کام لگان وغیرہ کا حساب و کتاب رکھنا تھا۔ یہ لوگ اسلامی دور کی ابتدا میں یہ کام اپنی دیسی اور مقامی زبانوں میں انجام دیتے تھے۔ لیکن جب سلطان سکندر لودھی نے بعض دفتری شعبوں میں فارسی زبان رائج کرنے کا حکم دیا تو یہ لوگ فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ ذریعہ معاش کو برقرار رکھنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور عین ممکن ہے کہ اس طرح مسلمان حکمرانوں کے زیادہ قریب آنے سے اس طبقے کے بعض لوگوں نے اسلام بھی قبول کر لیا ہو۔ اس خیال کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جسے شیخ سعد اللہ کے تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ اکبر نے جب ان سے ان کی قوم کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا تھا کہ میں محرروں کی ایک جماعت سے تعلق رکھتا ہوں جسے ہندی میں کائستھ کہتے ہیں۔ اس برجستہ جواب کو مؤرخین و تذکرہ نگار بے تکلفی پر محمول کرتے ہیں اور اس جواب کو بادشاہ نے بھی پسند کیا تھا۔ بے شک یہ بے تکلفی بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ واقعی حقیقت بھی ہو سکتا ہے کہ اکبر بھی عام لوگوں کی طرح اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ بنی اسرائیلی کی

یہ نسبت یہودیوں کی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور شیخ نے بھی بادشاہ کا مطلب سمجھ لیا تھا اس لیے یہ کہنے کے بجائے کہ میں بنی اسرائیل سے ہوں جو در اصل منشی گری کا کام کرنے والے کائستھوں میں سے ہیں، سیدھا سادا جواب دیا کہ: "از جماعتی نویسندہ ہا کہ ایشاں را بزبان ہندی کائستھ می گویند، بادشاہ را ایں بے تکلفی او بسیار خوش آمد" [۵]

اگر سوچا جائے تو اکبر کا سوال اسی صورت میں جائز اور برمحل معلوم ہوتا ہے جب اسے یہ شک ہو کہ شاید شیخ کا تعلق یہود بنی اسرائیل سے ہے اور پھر جواب کو پسند کرنے کی معقول وجہ بھی یہی نظر آتی ہے کہ شیخ نے سیدھے سادے انداز میں کہہ دیا کہ ہم اصل میں کائستھ ہیں اور جو کچھ آپ سمجھ رہے ہیں ہم وہ نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ بے تکلفانہ اور سادا انداز بادشاہ کو پسند آیا، ورنہ اس جواب کا یہ مطلب نہیں کہ شیخ نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یونہی غلط سلط جواب دے دیا اور بادشاہ نے ان کی اس جرأت مندانہ بے تکلفی کو پسند کیا اور اس غلط سلط جواب پر ہی ان کے ساتھ طویل صحبتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، بلکہ بے تکلفی کا تعلق شیخ کے اسلوب بیان سے ہے جس میں انھوں نے اپنے بنی اسرائیلی ہونے کی غلط فہمی کو دو لفظوں میں ختم کر دیا اور اسلوب اظہار و بیان کی اسی بے تکلفی اور سادگی نے بادشاہ کو شیخ کا گرویدہ بنا دیا اور ان سے گفتگو کے طویل سلسلے رہے [۶]

الغرض شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی لاہوری ہندی کائستھوں کے اس نومسلم گروہ سے تعلق رکھتے تھے، جو اپنے کسی بزرگ کی نسبت سے بنی اسرائیلی کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کا تعلق چونکہ اہل قلم و قرطاس سے تھا، اس لیے اسلام لانے کے بعد بھی ان کا یہی مشغلہ رہا اور ان میں کئی ایک ممتاز اہل علم و فضل بھی پیدا ہوئے، جن کا تذکرہ تاریخ و تراجم کی کتابوں میں موجود ہے۔ [۷] البتہ یہ بات ایک راز ہے کہ شیخ اسرائیلی لاہور میں کیسے آئے؟ کیا وہ یہیں پیدا ہوئے یا پیدائش کہیں اور جگہ ہوئی اور یہاں تحصیل علم کی خاطر آئے اور پھر یہیں مقیم ہو گئے۔

تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بنی اسرائیلی نے لاہور میں اس وقت کے ممتاز عالم دین اور صوفی جناب شیخ اسحاق بن کاکو لاہوری کی درس گاہ میں علوم متداولہ کی منزلیں طے کیں۔ پھر یہیں تدریس و افادہ میں مشغول ہو گئے [۸] یہیں شادی ہوئی اور آپ کی ایک بیٹی تھی جس کا عقد آپ نے اپنے ایک شاگرد شیخ منصور لاہوری سے کر دیا تھا۔ [۹]

شیخ اسحاق کاکو لاہوری

ملا عبدالقادر بدایونی کی تعریف؟

شیخ بنی اسرائیل سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے استاد شیخ اسحاق بن کاکو کی درس گاہ میں ہی تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ یہ درس گاہ لاہور کے ایک علاقہ نخاس[۱۲] میں واقع تھی۔ بقول مولانا علم الدین سالک "لاہور میں جہاں آج کل لنڈا بازار، شہید گنج، محلہ داراشکوہ اور سلطان کی سرائے واقع ہیں، اکبر کے زمانے میں یہ علاقہ نخاس کہلاتا تھا[۱۳]۔" شیخ نے بہت جلد ایک مسلّم عالم و مدرس اور متشرع صوفی کی حیثیت سے شہرت حاصل کر لی۔ سب لوگ ان کا بے حد احترام کرنے لگے اور بقول بدایونی: "و مردم خاکپائے او را ازبس حسن عقیدہ بجای توتیا می کشیدند و عقیدہ ولایت با و داشتند[۱۴]۔" شیخ کے اس مرتبہ علمی، زہد و تقویٰ اور شہرت نے شہنشاہ اکبر کو ان سے ملنے کی رغبت دلائی۔ تمام تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ شیخ بنی اسرائیلی بڑے سخی اور نیک دل انسان تھے اور کبھی کوئی سائل ان کے دروازے سے محروم نہیں لوٹتا تھا۔ لوگوں کو ان کی اس داد و دہش اور سخاوت پر سخت حیرت ہوتی تھی۔ ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ جس شخص کو بادشاہ وقت سے بھی کچھ نہیں ملتا، تجارت و زراعت کا سلسلہ بھی نہیں وہ یہ تمام مصارف کہاں سے کرتا ہے[۱۵]۔

ملا عبدالقادر بدایونی جیسا مشہور نقاد اور بلند پایہ مورخ بھی شیخ کی ذہانت، اسلوب بیان کثرت معلومات اور قوت حافظہ کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ لاہور میں ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "فقیر مرتبۂ اول در لاہور ملازمت او کردم، بتقریبے قضیۂ ویرانی ملتان و آبادانی لاہور، و قضیۂ سلاطین لنکاہ، خصوصاً سلطان حسین را چنان تقریر کرد کہ در حسن ادا و فصاحت عبارت و تنقیح آں متعجب ماندم، و در کم جای آں حلاوت گفتار یافتہ شدہ[۱۶]۔"

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی شباب و کہولت میں درس و تدریس اور زہد و عبادت میں مشغول رہے۔ اور شریعت کے اوامر و نواہی کی سختی سے پابندی کرتے رہے لیکن بڑھاپے میں ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے شیخ کی زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور وہ متشرع صوفی اور زاہد پاکباز سے بادہ خوار و رند نظر باز بن گئے۔ تذکرہ نگاروں نے یہ افسوس ناک حادثہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے[۱۷]۔ شیخ ایک مطربہ کو دل دے بیٹھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا و عقیدہ بھی ہار بیٹھے اور سب مال و دولت بھی اس کافرہ کی نذر کر دیا۔ وہ نغمہ و ساز کی آواز پر شراب کے نشے

میں مست رہنے لگے اور بقول بدایونی درس و تدریس کا سلسلہ بھی انھوں نے جاری رکھا۔ لوگ جب انھیں سفید ڈاڑھی کے ساتھ شراب میں مست بازاروں میں پھرتے دیکھتے تو اس شعر کے مصداق منظر پیدا ہو جاتا۔

زیں پیش گرچہ خلق گرفتے زما سبق عشق آمد و نماند نشانے زما سبق

شیخ کے مریدوں اور شاگردوں کے لیے یہ حادثہ سخت کوفت و پریشانی کا باعث تھا۔ چنانچہ انھوں نے شہر کے محتسب کے ساتھ مل کر شیخ کی اصلاح کا منصوبہ بنایا۔ ایک دن جب وہ اس مطربہ کے ساتھ شراب نوشی میں مصروف تھے، طلبہ و مریدین کی ایک جماعت محتسب کے ہمراہ دیوار پھاند کر اس مکان کے اندر داخل ہو گئے جہاں یہ رنگین محفل برپا تھی۔ تمام آلات طرب توڑ پھوڑ کر جب شیخ کو گرفتار کرنے لگے تو شیخ نے فقیہانہ انداز میں ان سے کہا: "اگر میں نے ایک خلاف شرع فعل کا ارتکاب کیا ہے تو تم نے تین ناجائز افعال کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لیے مجھ سے زیادہ تم لوگ سزا کے مستحق ہو۔ ایک تو تم نے جاسوسی کی ہے جو ممنوع ہے، دوسرے تم نے دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت نہیں لی جس کا شریعت میں حکم ہے۔ تیسرے تم دیوار پھاند کر اندر آئے ہو جو شرعاً جرم اور ناروا ہے۔"

شیخ کی یہ گفتگو سن کر وہ لوگ تو واپس چلے گئے، مگر انھیں بھی ہوش آ گیا اور اپنی غلطی اور گناہ کا احساس ہو گیا۔ چنانچہ توبۃ النصوح کی توفیق ہوئی اور پھر وہ درس و تدریس اور مطالعہ و تصنیف میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے امام غزالی کی کتاب احیاء علوم الدین کو اپنا دستور حیات بنا لیا اور لوگوں کے دلوں میں وہی احترام و عقیدت کا مقام حاصل کر لیا جو پہلے تھا۔ اسی سال کی عمر میں جب انھوں نے وفات پائی تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ جن میں چھوٹے بڑے سب تھے، ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ وہ ازراہ برکت ان کے جنازے کو کندھا دینے کی کوشش کرتے تھے اور تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

شیخ نبی اسرائیلی کے متعلق ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ "تصانیف بسیار مفید عالی نوشتہ" مگر افسوس کہ ان کی کوئی تصنیف زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکی اور سوائے شرح جواہر القرآن للغزالی کے اور تصانیف کے تو نام بھی نہیں ملتے۔

شیخ سے علما کی ایک اچھی خاصی تعداد نے فیض حاصل کیا تھا، جن میں سے بعض نے تو بڑا نام پیدا کیا۔ ان میں سے ایک مولانا جمال الدین تلوی لاہوری بھی تھے جو لاہور کے ایک قدیم محلے تلہ میں رہتے تھے۔

انھوں نے شیخ اسحاق بن کاکو سے بھی استفادہ کیا تھا اور علامہ فیضی کی تفسیر سواطع الالہام کی اصلاح اور اس کی عبارات کو مربوط بنایا تھا۔[21] مفتی عبدالسلام لاہوری بھی ان کے شاگرد تھے۔[22] شیخ بنی اسرائیلی کے ایک شاگرد مولانا منصور لاہوری بھی ہیں جو ایک نامور فاضل تھے اور ان کے داماد بھی تھے۔[23]

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی کی تاریخ وفات کے بارے میں تمام تذکرے اور کتب تاریخ خاموش ہیں۔ ملا عبدالقادر بدایونی اور پھر اس کی پیروی میں مولوی رحمان علی اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اسی برس کے قریب عمر پائی تھی، مگر سنہ وفات درج نہیں۔ بدایونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ لاہور میں ان سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، اور بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ (۹۶-۱۵۹۵ء) میں مکمل کر لی تھی، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتاب کی تکمیل سے قبل اور تقریباً گیارھویں صدی ہجری کے اوائل میں فوت ہوئے ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس مقالے کے شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی کے تذکرہ نگار چند ایک غلط فہمیوں کا شکار ہوتے بلکہ بعض تو ایک عجیب و غریب تخلیط و التباس سے دوچار ہوئے ہیں۔ مثلاً مولانا عبدالحی لکھنوی نے ان کے حالات درج کرتے وقت لکھا ہے کہ "اخذ العلم والطریقۃ عن الشیخ نجیب الفیاض والشیخ اسحاق بن کاکو"[24] (یعنی انھوں نے شیخ نجیب الفیاض اور شیخ اسحاق بن کاکو سے علم اور طریقۂ تصوف اخذ کیا)۔ حالانکہ نجیب الفیاض نام کا نہ تو کوئی عالم گزرا ہے اور نہ کسی نے شیخ بنی اسرائیلی کے شیوخ میں مولانا اسحاق کے علاوہ کسی عالم کا ذکر کیا ہے۔ غالباً اس وہم کا سبب ملا بدایونی کی یہ عبارت ہے: "شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی از شاگردان رشید نجیب فیاض اسحاق کاکو است۔"[25] حالانکہ اس جملے میں نجیب فیاض شیخ اسحاق کاکو کی صفت ہے نہ کہ کوئی الگ اور مستقل شخصیت۔ ہو سکتا ہے کہ مولانا عبدالحی لکھنوی کے پاس تاریخ بدایونی کا جو نسخہ ہو، اس میں "نجیب فیاض و اسحاق کاکو" درج ہو اور انھوں نے انھیں دو الگ شخص سمجھ کر ذکر کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ نجیب الفیاض نام کا کوئی عالم سننے میں نہیں آیا اور مولانا عبدالحی کی نزہۃ الخواطر کی ساتویں جلد الٹ پلٹ کر کے دیکھ لیجیے انھوں نے اس نام کے کسی عالم کا تذکرہ نہیں کیا۔

اس سلسلے میں مولانا علم الدین سالک مدظلہ سے بھی ایک لغزش ہوئی ہے۔ انھوں نے شیخ بنی اسرائیلی اور سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری کو ایک شخص بنا دیا ہے اور وہ تمام واقعات جن کا تعلق آخر الذکر سے ہے

انھیں اول الذکر سے منسوب کر کے درج کیا ہے مثلاً لکھا ہے کہ شیخ بنی اسرائیلی نے دیپالپور میں شیخ بایزید دیپالپوری سے علم حاصل کیا۔ حالانکہ یہ ملا سعداللہ بن ابراہیم ملتانی تھے جو ملتان کی تباہی اور اپنے والد کی وفات کے بعد بایزید سے استفادہ و استفاضہ کی غرض سے دیپالپور گئے اور پھر عہد مرزا کامران میں لاہور آ گئے تھے۔ اسی طرح بختاور خاں نے ملا سعداللہ[26] کے حالات میں ذہول کی کیفیت "ذکر" سے تاریخ پیدائش، "حکیم" سے عمر، اور دونوں کے مجموعے یعنی "ذکر حکیم" سے تاریخ وفات کا نکلنا وغیرہ سب باتیں شیخ بنی اسرائیلی سے منسوب کی ہیں۔

مولانا سالک صاحب سے ایک فروگذاشت یہ ہوئی ہے کہ شیخ سعداللہ بنی اسرائیلی کو مولانا فتح اللہ دانشمند ملتانی کا بیٹا ظاہر کیا ہے اور اس کا سبب بھی غالباً بختاور خاں کی یہ عبارت ہے: "شیخ سعداللہ لاہوری، از فرزندان مولانا فتح اللہ دانشمند . . . . ." قطع نظر اس کے کہ شیخ سعداللہ بنی اسرائیلی کو مولانا دانشمند سے کوئی واسطہ نہ تھا، اسی عبارت کا دوسرا حصہ واضح کر دیتا ہے کہ "فرزندان" سے مراد بیٹے نہیں بلکہ پوتے، پڑپوتے یا نسل ہے۔ پوری عبارت یوں ہے: "شیخ سعداللہ لاہوری، از فرزندان مولانا فتح اللہ دانشمند، کسب علوم در خدمت والد خود شیخ ابراہیم، و بعد از فوت پدر در پیش شیخ بایزید دیپالپوری نمود۔"

پروفیسر محمد ایوب قادری مترجم تذکرہ علمائے ہند نے بھی شیخ بنی اسرائیلی اور شیخ سعداللہ ملتانی ثم لاہوری کو ایک ہی آدمی سمجھ لیا ہے حالانکہ مولف کتاب مولوی رحمان علی نے دونوں کا الگ الگ تذکرہ کیا ہے، مگر قادری صاحب نے شیخ بنی اسرائیلی کے حالات کے آخر میں اضافی ماخذ درج کرتے وقت بتایا ہے کہ ان کے حالات مولوی محمد الدین فوق کے تذکرۂ علمائے لاہور کے صفحہ ۵-۶ پر بھی درج ہیں، اور اس کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ قادری صاحب نے عنوان سے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ مولانا سعداللہ لاہوری اور سعداللہ بنی اسرائیلی لاہوری ایک ہی بات ہیں، حالانکہ فوق صاحب کے بیان سے خوب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ سعداللہ ملتانی ثم لاہوری کا ذکر کر رہے ہیں۔ قادری صاحب نے "دراں حالت در عین نخاس درس می گفت" کا ترجمہ "اسی حالت میں وہ خاص بازار میں درس دیتے تھے[27]۔" کر کے بھی لغزش کھائی ہے۔ یہ معلوم کرنے سے پہلے کہ سعداللہ بنی اسرائیلی کے تذکرے کے سلسلے میں علما کو یہ مغالطے کیونکر لگے، یہ ثابت کرنا ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ بنی اسرائیلی لاہوری اور مولانا سعداللہ ملتانی ثم لاہوری دو الگ الگ شخصیتیں ہیں:

(۱) مولوی رحمان علی صاحب تذکرۂ علمائے ہند اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ان دونوں عالموں کا الگ الگ دو مستقل و ممتاز شخصیتوں کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ ان کے برعکس بدایونی نے صرف شیخ بنی اسرائیلی کا ذکر کیا ہے مگر سعد اللہ ملتانی کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح نظام الدین احمد ہروی اور بختاور خاں نے صرف ملا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری کا ذکر کیا ہے۔

(۲) جن تذکرہ نگاروں نے ملا ملتانی کا تذکرہ کیا ہے، انھوں نے ان کی تاریخ پیدائش، عمر اور تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے برعکس جنھوں نے شیخ بنی اسرائیلی کا ذکر کیا ہے، انھوں نے نہ ان کی تاریخ پیدائش لکھی ہے اور نہ تاریخ وفات کا ذکر کیا ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ وہ اسی برس کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ بدایونی تک نے بھی تاریخ وفات کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ لاہور میں ان سے خود ملا تھا۔

(۳) دونوں کی آخری عمر کے واقعات کا نقشہ بالکل مختلف ہے۔ مثلاً ملا ملتانی کے جہاں قویٰ کے مضمحل ہونے کا ذکر ہے، وہاں ان کے استغراق و ذہول اور زاہدانہ وجد و خود فراموشی کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ لیکن شیخ بنی اسرائیلی کے نہ قویٰ مضمحل ہونے کا ذکر ہے اور نہ اس خود فراموشی کا۔ بلکہ وہ تو آخری عمر میں عشق بتاں میں گرفتار نظر آتے ہیں۔

۴۔ تمام تذکرہ نگاروں نے دونوں کے شیوخ و اساتذہ مختلف بتلائے ہیں۔ شیخ بنی اسرائیلی کے اساتذہ میں صرف شیخ لاہوری کا ذکر ہے، اور ملا ملتانی کے شیوخ میں ان کے والد مولانا ابراہیم بن مولانا فتح اللہ دانشمند ملتانی اور شیخ بایزید دیپالپوری کا ذکر ہے۔ کسی تذکرہ نگار نے مشیوخ میں اشتراک کا تذکرہ نہیں کیا۔

۵۔ تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیلی اسی برس کی عمر میں فوت ہوئے لیکن مولانا سعد اللہ ملتانی ثم لاہوری کی تاریخ پیدائش لفظ "ذکر" سے اور عمر لفظ "حکیم" سے اور دونوں کے مجموعے سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ اس لحاظ سے وہ ۷۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

مغالطے کے اسباب میں سے سب سے بڑا سبب تو نام اور نسبت کی مشابہت ہے جس سے تذکرہ نگاروں اور خصوصاً متاخرین کو مغالطہ لگا اور انھوں نے دونوں کو ایک شخصیت سمجھ لیا۔ دوسرا سبب معاصرت اور تقارب زمانی ہے۔ سعد اللہ ملتانی ۷۸ سال کی عمر میں ۹۹۱ھ میں فوت ہوئے، اسی

طرح شیخ بنی اسرائیلی بھی اسّی برس کی عمر میں ۱۰۰۴ھ (۱۵۹۶ء) سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ تیسرا سبب اس مغالطے اور التباس کا یہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے نہ صرف اکبر کا زمانہ پایا بلکہ دونوں کو اس کے دربار میں طلب بھی کیا گیا۔ دونوں سے سوالات ہوئے اور ان سوالات میں سے ایک ایک سوال مع جواب دونوں سے الگ الگ منسوب اور تذکروں میں مذکور ہے۔ اسی مناسبت و مشابہت نے محققین تذکرہ نگاروں کو غلط فہمی میں ڈال دیا اور وہ دونوں کو ایک شخصیت سمجھ بیٹھے۔

سب سے آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ راقم السطور کا مقصد بزرگوں کی عیب جوئی نہیں بلکہ جو کچھ عرض کیا ہے، وہ امانت علمی کے تقاضے کے پیش نظر کیا ہے۔

حواشی:

ـــــــ
عبدالقادر بدایونی ×

۱ تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۱۱ (دہلی ان ملکی یم)

۲ منتخب التواریخ ۳: ۵۳؟ بعد ۳ مرآۃ العالم ص ۵۱۷، تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۱

۴ طبقات اکبری ۲: ۴۶۱ ۵ تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۶

۶ اردو ترجمہ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۷۵ ۷ نقوش لاہور نمبر ص ۴۲۱

۸ طبقات اکبری ۱: ۴۰۴۳، آب کوثر ص ۴۵۸

۹ تذکرہ علمائے ہند ص ۷۲، منتخب التواریخ ۳: ۵۴ ۱۰ ایضاً

۱۱ نقوش لاہور نمبر ص ۴۲۱ ۱۲ نزہۃ الخواطر ۴: ۱۱۶، ۲۲۳، ۵: ۲۶۷

۱۳ منتخب التواریخ ۳: ۱۵۵، نزہۃ الخواطر ۴: ۲۶۷ ۱۴ منتخب التواریخ ۳: ۵۳

۱۵ نقوش لاہور نمبر ۱۶ منتخب التواریخ ۳: ۵۳

۱۷ نزہۃ الخواطر ۴: ۱۲۴، منتخب التواریخ ۳: ۵۴، تذکرہ علمائے ہند ص ۷۱

۱۸ منتخب التواریخ ۳: ۵۴

۱۹ مفصل دیکھیے تذکرہ علمائے ہند ص ۷۲، منتخب التواریخ ۳: ۵۳

۲۰ منتخب التواریخ ۳: ۵۴

۲۱ نزہۃ الخواطر ۵: ۱۱۶، منتخب التواریخ ۳: ۱۰۵، مرآۃ العالم ص ۵۳۲

۲۲ھ ملاحظہ ہو رسالہ المعارف لاہور، ماہ اپریل ۱۹۷۰ء

۲۳ھ منتخب التواریخ ۳: ۱۵۵، نزہتہ الخواطر ۴: ۳۶۷

۲۴ھ نزہتہ الخواطر ۴: ۱۲۴ ۲۵ھ منتخب التواریخ ۳: ۵۳

۲۶ھ ملاحظہ ہو مرآۃ العالم ص ۵۱۶، نقوش لاہور نمبر ص ۲۶۱

۲۷ھ ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۷، اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری ص ۲۱۱

سیّد امیر علی

(از شاہد حسین رزاقی)

سید امیر علی اپنے دور کی ایک عظیم شخصیت تھے۔ ایک روشن خیال مفکر، مؤرخ، سیرت نگار اور اسلامی قانون کے ماہر کی حیثیت سے انھوں نے بڑا نام پیدا کیا اور مسلمانان ہند کی سیاسی جد و جہد میں نہایت اہم حصہ لیا۔ اس کتاب میں امیر علی کی زندگی کے حالات، ان کی سیاسی سرگرمیاں اور دینی اور علمی خدمات بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی ہند کی سیاسی بیداری اور ملی و دینی احیا کی تحریک میں امیر علی نے کس قدر اہم اور نمایاں حصہ لیا ہے اور ان کے علم و فضل اور سیاسی بصیرت کی روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں نے کیسی دشوار منزلیں کامیابی سے طے کی ہیں۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں امیر علی کی زندگی کے حالات اور اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں ان کی سیاسی سرگرمیوں پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انیسویں صدی کے آخر نصف میں اسلامی ہند کے رہنماؤں میں صرف امیر علی ایک ایسے سیاسی رہنما تھے جنھوں نے مغربی افکار اور انگریزوں کے سیاسی نظام و نظریات کا غائر مطالعہ کیا تھا اور برطانوی عہد حکومت میں ہندوستان کے سیاسی مستقبل کا واضح شعور رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے پہلی سیاسی تنظیم قائم کی۔ اور ان کی جداگانہ قومی حیثیت کو تسلیم کرانے اور ایک الگ قوم کی حیثیت سے ان کے حقوق حاصل کرنے کی جد و جہد میں کامیاب ہوئے۔ تیسرا حصہ امیر علی کی دینی اور علمی خدمات سے متعلق ہے جس میں ان کی تمام تصانیف اور مقالات کے مختصر خاکے بھی قلم بند کیے گئے ہیں جن سے ان کے علمی تبحر کا اندازہ اور افکار و نظریات کا مطالعہ کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ: ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور (پاکستان)